تنظیمِ اسلامی

کی دعوت

ایک اجمالی خاکہ(۱)

تنظیمِ اسلامی

دارالاسلام مرکز تنظیم اسلامی، ملتان روڈ چوہنگ، لاہور 53800
فون: 78-(042)35473375

ای میل: markaz@tanzeem.org ویب سائٹ: www.tanzeem.org

(۱) مختصر خاکہ

لمحۂ فکریہ!

الحمدللہ کہ ہم سب مسلمان ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے ہیں اور یقینا یہ اللہ کا بہت بڑا فضل وکرم ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان ماں باپ کے ہاں پیدا فرمایا کیونکہ اگر خدانخواستہ ہم کسی غیر مسلم گھرانے میں آنکھ کھولتے تو اس بات کا امکان بہت ہی کم تھا کہ ہم اسلام کی دولت سے بہرہ ور(۱) ہوسکتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ہی دینِ حق ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے آخری اور سچے رسول ہیں اور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے ہمیں اس بات کی قوی امید ہے کہ مسلمان ہی آخرت میں اللہ کے انعامات واعزازات کے حقیقی مستحق ہوں گے۔

لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا محض اس بات پر کہ ہم نے مسلمان گھرانے میں آنکھ کھولی، آخرت میں ہم ابدی(۲) انعام کے حقدار بن جائیں گے۔ عقلِ سلیم اس بات کو تسلیم نہیں کرتی۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم آخرت میں انعامات وکرامات کے مستحق تبھی قرار پائیں گے جب ہم اپنی امکانی حد تک ان فرائض اور ذمہ داریوں کو ادا کریں جن کا دین ہم سے تقاضا کرتا ہے ورنہ اس بات کا خدشہ موجود ہے کہ اگر ہم اپنی دینی ذمہ داریوں کو ادا نہ کریں تو محض مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونا ہمارے محاسبہ(۳) میں مزید شدت کا باعث بن جائے اس لئے کہ جس پر اللہ کے احسانات وانعامات زیادہ ہوتے ہیں اس کا محاسبہ بھی اسی نسبت سے سخت ہوتا ہے۔ سورۃ التکاثر میں فرمایا ﴿ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ "پھر تم سے قیامت کے دن نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔"

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے ہونا یقیناً باعثِ شرف و افتخار(۴) ہے۔ لیکن یہ بات ذہن سے اوجھل نہ ہونے پائے کہ جب کسی کو بلند مرتبہ یا منصب عطا ہوتا ہے تو اس کی ذمہ داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں۔ "جن کے رتبے ہیں سِوا، اُن کی سِوا مشکل ہے"(۵) اور کوئی انسان کامیاب اس وقت قرار پاتا ہے کہ جس قدر اس

---

(۱) فائدہ اٹھانے والا (۲) دائمی (۳) پوچھ گچھ (۴) عزت وفخر (۵) بڑے رتبے والوں کی ◀◀

کے بس میں ہو وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی کوشش کرے۔ ہم مسلمان اس عظیم امت کے جزو ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے "امتِ وسط" اور "خیرِ امت" (یعنی بہترین امت) قرار دیا اور ہمارے لئے یہ الفاظ بھی قرآن حکیم میں وارد ہوئے کہ ﴿هُوَ اجْتَبٰكُمْ﴾ "اس (اللہ) نے تمہیں چُن لیا ہے" چنانچہ امت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں شامل ہونے سے جہاں ہمارا مقام اور مرتبہ بلند ہوجاتا ہے وہیں کچھ ذمہ داریاں بھی ہم پر عائد ہوتی ہیں جن کی ادائیگی کی اگر ہم فکر نہیں کریں گے تو ہم بھی اسی خطاب کے مستحق قرار پائیں گے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہود کو دیا ہے۔ ہم سے پہلے مسلمان امت یہود تھے۔ انہیں تورات عطا کی گئی تھی۔ لیکن جب انہوں نے اللہ کی کتاب سے منہ موڑا اور دینی ذمہ داریوں کو ادا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معزول (۱) کردیا اور ان پر ذلت اور مسکنت (۲) مسلط کردی اور سورۃ الجمعۃ میں ان کے طرزِ عمل کے بارے میں فرمایا "مثال ان لوگوں کی جنہیں تورات عطا کی گئی تھی لیکن انہوں نے اس کی ذمہ داریوں کو ادا نہ کیا اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہو۔" (سورۃ الجمعۃ: آیت 5)

خیرِ اُمت کے دینی فرائض

ایمانِ حقیقی کے حصول کی کوشش

قرآن مجید جہاں اہلِ ایمان کو ان کی ذمہ داریاں یاد کرواتا ہے وہاں انہیں یہ تاکید بھی کرتا ہے کہ یقینِ قلبی والے ایمان کو حاصل کرنے کی شعوری کوشش کریں۔ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 110 میں فرمایا ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ "تم وہ بہترین اُمت ہو جسے دوسرے لوگوں کے لئے برپا کیا گیا۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر پختہ یقین رکھتے ہو۔" اسی طرح سورۃ النساء کی آیت نمبر 136 میں فرمایا ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ "اے ایمان والو!

◄◄ مشکلات بھی بڑی ہیں (۱) برطرف (۲) محتاجی

اللہ اوراس کے رسول پر پختہ یقین رکھو۔“ گویا کہ سب سے پہلی اور بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے ایمان کومضبوط کریں اور دیکھیں کہ کیا واقعی ان حقائق پر ہمیں قلبی یقین حاصل ہے جن کو ماننے کا نام ایمان ہے۔ اگر ایسا ہوگا تو پھر ہم دوسری اہم دینی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے بھی آمادۂ عمل [۱] ہوسکیں گے۔

ربّ کی بندگی

ایمان ویقین کے حصول کی کوشش کے ساتھ ساتھ بحیثیت مسلمان ہماری سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اپنے خالق و مالک کی بندگی کریں۔ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں اورجنوں کو پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں۔ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [۲] ہمارا یہ ایمان ہے کہ اللہ ہی ہمارا خالق، مالک اور رازق ہے۔ اس کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں لیکن ظاہر ہے کہ اس کے احسانات کے بدلے میں ہم یہ تو نہیں کر سکتے کہ جواباً اس پر کوئی احسان کریں یا اس کی کوئی ضرورت پوری کریں۔ اس لئے کہ وہ الصمد اور الغنی (بے نیاز) ہے۔ ہاں ہم یہ ضرور کر سکتے ہیں کہ اس کے شکر گزار بندے بن جائیں۔ اس کی پرستش کریں۔ اس کی اطاعت کریں اور اس کے احکامات کو توڑنے سے اجتناب [۳] کریں۔ اسی طرزِ عمل کا نام بندگی ہے جسے قرآن مجید کی اصطلاح میں ”عبادتِ رب“ کہتے ہیں۔ اللہ بھی ہم سے یہی چاہتا ہے کہ ہم اس کی بندگی کریں اور اسی لئے اس نے ہمیں تخلیق فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کی دعوت کا بنیادی نکتہ یہی رہا ہے کہ ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [۴] ”اے میری قوم (کے لوگو!) اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔“

عبادت کے ضمن میں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ ہم نے اپنے طور پر سمجھ لیا ہے کہ عبادت سے مراد نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہے اور بس۔ گویا زندگی کے

---

(۱) عمل کے لیے تیار (۲) الذٰریت 56: ”اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر صرف اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں“۔ (۳) بچنا (۴) الاعراف، ھود، المومنون

دوسرے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ تصور انتہائی محدود ہے۔ درحقیقت عبادت سے مراد ہے اللہ کی محبت سے سرشار ہونا اور اس کی غلامی اختیار کرلینا۔ یعنی زندگی کے ہر معاملے میں دل کی آمادگی سے اللہ کی اطاعت کرنا اور اپنی مرضی کو اس کی مرضی کے تابع (۱) بنا دینا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی اطاعت جبراً نہیں بلکہ شوق اور محبت کے جذبے کے ساتھ ہونی چاہئے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ مراسمِ عبودیت ہیں اور عبدیت کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ یہ چیزیں بھی یقینا عبادت میں داخل ہیں لیکن یہ کُل عبادت نہیں ہیں۔ بلکہ عبادت تو زندگی کے ہر شعبے اور گوشے میں اللہ کی اطاعت کا نام ہے اور یہی دینِ اسلام ہے۔ جس کا ہم سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ ہم زندگی کے ہر معاملے میں اللہ کے احکام کو مدِنظر (۲) رکھیں اور اس بات کا خیال رکھیں کہ کسی بھی معاملے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ٹوٹنے نہ پائے۔ اسی طرزِ عمل کا نام تقویٰ ہے۔ اس بات کو سورۃ البقرۃ میں ان الفاظ میں بیان کیا کہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾ "اے اہل ایمان! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ"۔ (۳)

دین کی دعوت و گواہی

ہمیں نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنی اس نسبت پر فخر ہے کہ ہم حضور ﷺ کے اُمتی ہیں اور یقیناً یہ ہماری بہت بڑی خوش بختی ہے۔ لیکن جہاں یہ بات باعثِ فخر و افتخار ہے وہیں اس کے حوالے سے ہم پر ایک اہم ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ اس ذمہ داری کا جامع عنوان ہے "شہادت علی الناس" یعنی اللہ تعالیٰ کا جو دین اور پیغام محمد ﷺ کے واسطے سے امت تک پہنچا ہے، اب امت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اس دین کو اپنے اپنے زمانے میں پوری نوعِ انسانی تک پہنچائے اور اپنے قول و فعل سے اس دین کی گواہی دے۔ بقول حکیم الامت: "دے تو بھی محمد ﷺ کی صداقت کی گواہی"۔

ہمارا ایمان ہے کہ آنحضور ﷺ خاتم النبین ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا اور اب قیامت تک حضور ﷺ کی رسالت کا دور ہے۔ جزیرہ

---

(۱) ماتحت (۲) سامنے (۳) سورۃ البقرۃ: آیت 208

نمائے عرب کی حد تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس اللہ کے پیغام کو لوگوں تک پہنچایا اور اس کے دین کو غالب کیا لیکن اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد یہ اُمت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مشن کو پورا کرے اور اللہ کے آخری پیغام کو نوع انسانی کے ہر ہر فرد تک پہنچائے۔ سورۃ البقرۃ میں اس اُمت کی تشکیل کی غرض و غایت[1] ہی یہ بیان ہوئی ﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ "اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین اُمت بنایا کہ تم ہو جاؤ گواہ (تمام) لوگوں پر اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو جائیں گواہ تم پر"[2]۔ گویا جس طرح انسانوں کی تخلیق کی غرض و غایت یہ تھی کہ وہ اللہ کی بندگی کریں، اسی طرح اس اُمت کی تشکیل کی غرض و غایت یہ ہے کہ وہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں تک اللہ کے دین اور اس کے پیغام کو پہنچائیں۔ اپنے قول سے بھی اللہ کے دین کی شہادت دیں اور عمل سے بھی اس کی گواہی دیں۔ اسی ذمہ داری کا نام ہے "شہادت علی الناس"۔ امتِ مسلمہ جب تک اس ذمہ داری کو ادا کرتی رہی وہ دنیا میں غالب و برتر رہی لیکن جب اُمت نے اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی کی تو اسے دنیا میں شدید ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا شہادت علی الناس اگرچہ امتِ مسلمہ کے اجتماعی فرائض سے تعلق رکھتی ہے لیکن یہ بات واضح رہے کہ اگر اُمت اجتماعی سطح پر شہادت علی الناس کا فریضہ کو ادا نہ کر رہی ہو تو از خود اس کی ذمہ داری کا بوجھ امت کے ہر فرد کے کاندھوں پر آ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں جن لوگوں کو بھی اس ذمہ داری کا شعور حاصل ہو جائے انہیں چاہئے کہ وہ مل جل کر ایک جماعت تشکیل دیں اور اس فریضے کی ادائیگی کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔ سورۃ آل عمران میں ایسی صورت حال کے لئے ہدایت موجود ہے کہ ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ "اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں"[3]۔

---

(۱) مقصد (۲) سورۃ البقرۃ: آیت 208 (۳) سورۃ آل عمران: آیت 104

دین کو قائم کرنے کی جدوجہد

تیسری ذمہ داری جو دین کی جانب سے ہم پر عائد ہوتی ہے اس کا جامع عنوان ہے"اقامتِ دین"۔یعنی اللہ کے دین کو بالفعل (۱) نافذ و غالب کرنا۔ ہمارا دین محض چند عقائد یا مراسمِ عبودیت کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک مکمل نظامِ زندگی ہے۔جس میں فرد اور اجتماعیت ہر سطح پر ہمیں رہنمائی دی گئی ہے۔ازروئے قرآن یہ دین ہمیں دیا ہی اس لئے گیا تھا کہ ہم اُسے قائم و نافذ کریں۔﴿اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ﴾ "دین کو قائم کرو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو" (سورۃ الشوریٰ: آیت 13)۔ویسے بھی یہ حقیقت ہے کہ ہر نظام اپنا غلبہ چاہتا ہے اور کسی ملک میں بیک وقت دو نظام رائج نہیں ہوسکتے۔اگر جمہوریت ہے تو ملوکیت کی کوئی گنجائش نہیں۔اسی طرح اگر دینُ اللہ ہے تو دینِ باطل کی کوئی گنجائش نہیں۔کسی ایک ہی کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوگی۔یہ زمین اللہ کی ہے۔ یہاں شریعت اور قانون دینے کا اختیار صرف اسی ذاتِ حق سبحانہٗ کو ہے۔﴿اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (۲) لہٰذا کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اللہ کے دین اور اس کی شریعت کو چھوڑ کر کوئی اور خود ساختہ دین اور قانون یہاں قائم و نافذ کرے۔اللہ کے دین کے سوا اگر کوئی باطل نظام قائم ہے تو یہی فتنہ اور فساد فی الارض ہے۔مسلمان جو کہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور فی الواقع اسے سب سے بڑا یعنی اکبر سمجھتے ہیں، اُن کا فرض ہے کہ وہ تمام باطل نظاموں کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر صرف اللہ کے دین کو اس کی زمین پر غالب و نافذ کرنے کے لئے بھرپور جدوجہد کریں۔قرآن حکیم میں دو مقامات پر یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ ﴿وَقَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ "مسلمانو! (ان مشرکین سے) جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہوجائے اور دین (نظام) کُل کا کُل اللہ کے لئے ہوجائے"۔(سورۃ البقرۃ:193، سورۃ الانفال39)

یہ اہم حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ شہادت علی الناس کا حق بھی اس وقت تک ادا نہیں ہوسکتا جب تک کہ کسی قابلِ ذکر خطۂ زمین پر اللہ کے دین کو بالفعل قائم و غالب

(۱) عملاً (۲) "اختیارِ مطلق تو صرف اللہ کا ہی ہے" (الانعام 57، یوسف 40، 67)

نہیں کر دیا جاتا۔ اس لئے کہ اللہ کے دین کی گواہی (شہادت) ہمیں اپنے قول سے بھی دینی ہے اور عمل سے بھی۔ اپنے عمل سے اللہ کے دین کی گواہی دینے کی واحد اور ممکن صورت یہی ہے کہ اسلام کے زریں اصولوں پر مبنی ایک معاشرہ بالفعل چلا کر دکھا دیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین ؓ نے اس دین کو عملاً قائم و نافذ کر کے نوعِ انسانی پر تا قیامت حجت قائم کر دی کہ یہ نظام نہ صرف قابلِ عمل ہے بلکہ ایسا صالح اور عدل وقسط پر مبنی نظام ہے کہ وہ خطہ جہاں یہ نظام قائم ہو جائے وہ واقعی جنت ارضی کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اب وہی نظام پوری زمین پر غالب و نافذ کرنا امت کا فریضہ ہے۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشن مکمل ہو سکے اور غلبہ و اظہار دین کا فریضہ تکمیل پا سکے۔

یہ ہیں وہ تین اہم ذمہ داریاں جو دین کی طرف سے ہم پر عائد ہوتی ہیں لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم میں سے اکثر کو سرے سے ان فرائض کا کوئی شعور حاصل نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں میں ان فرائض کا شعور اجاگر کیا جائے تاکہ جن لوگوں کو اس کا احساس ہو جائے وہ اپنی ہمتوں کو مجتمع کر کے ان فرائض کی ادائیگی کے لئے کمر بستہ ہو جائیں۔ ان تین ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مزید تین چیزوں کا اہتمام ضروری ہے اور وہ تین چیزیں ہیں جہاد فی سبیل اللہ، جماعت اور بیعت۔

جہاد، جماعت اور بیعت

اوپر بیان کردہ تین ذمہ داریوں سے عہدہ برآ [1] ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم پیہم جدوجہد کریں۔ بھرپور کشمکش اور مجاہدہ کریں۔ اس کے لئے قرآنی اصطلاح جہاد فی سبیل اللہ ہے، سورہ الحج میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾ "اور جدوجہد (جہاد) کرو اللہ کی راہ میں جیسا کہ اس کے لئے جہاد کا حق ہے" [۲]۔ اس جدوجہد اور کشمکش کے بھی تین درجے ہیں۔ پہلی سطح پر یہ کشمکش خود اپنے نفس کے ساتھ ہے۔ یعنی اس نفس کو اللہ کی بندگی اور اطاعت کا خوگر [۳] بنانا۔ اس کے لئے بھی شعوری جدوجہد درکار ہے۔ پھر اللہ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے جدوجہد کی

(۱) فرض ادا کرنا (۲) سورۃ الحج: آیت 78 (۳) عادی

ضرورت ہے۔ یہ جہاد کی دوسری سطح ہے اور یہاں جہاد نظریاتی سطح پر ہوتا ہے۔ مختلف نظریات ایک دوسرے کے مقابل آتے ہیں۔ کہیں لادینی نظریات اور کہیں مارکسی نظریات سے سابقہ پیش ہوگا اور کہیں الحاد [۱] اور مادہ پرستی کے ساتھ نظریاتی تصادم ہوگا۔ اس نظریاتی جہاد کے لئے مسلمان کا سب سے بڑا ہتھیار قرآن حکیم ہے۔ باطل نظریات کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے شمشیرِ قرآنی کا استعمال ضروری ہے۔ تیسری سطح پر یہ کشمکش اس باطل نظام کیساتھ ہوتی ہے جو کسی بھی ملک میں رائج ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی ملک میں دینُ اللہ کے قیام و نفاذ کے لئے ضروری ہے کہ وہاں کے مروجہ باطل نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ لیکن باطل نظام بھی آسانی سے راستہ نہیں دیتا بلکہ وہ مزاحمت کرتا ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں قتال (جنگ) کی بھی ضرورت پڑتی ہے اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑتا ہے۔ یہ جہاد کی آخری اور بلند ترین سطح ہے۔

اس ضمن میں دوسری چیز جس کا اہتمام ضروری ہے وہ ہے جماعت سے وابستگی۔ [۲] اس لئے کہ دین کے ان تقاضوں کی نوعیت ایسی ہے کہ انہیں انفرادی طور پر انجام نہیں دیا جاسکتا۔ خاص طور پر شہادت علی الناس اور اقامتِ دین جیسے مراحل کے لئے تو اجتماعی جدوجہد لازمی اور ناگزیر [۳] ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو عقل بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ان فرائض کی انجام دہی کے لئے اجتماعی جدوجہد ضروری ہے اور دوسری طرف اس ضمن میں حضور ﷺ کا واضح ارشاد بھی موجود ہے۔ آپؐ نے فرمایا ”آمُرُکُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ“ (احمد و ترمذی) ”مسلمانو! میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ جماعت سے وابستگی، سمع و طاعت اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ“۔ اس حدیث سے ہمیں جماعت کی نوعیت کے بارے میں بھی رہنمائی ملتی ہے۔ یعنی جماعت وہ مطلوب ہے جو سمع و طاعت (سنو اور اطاعت کرو) پر مبنی ہو۔ گویا ملٹری ڈسپلن درکار ہے۔

دین میں جماعت سازی کے لئے جو طریقہ ہمیں سنتِ رسول ﷺ اور سنتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ملتا ہے وہ بیعت کا طریقہ ہے۔ یہی طریقہ دین کے

---

(۱) بے دینی (۲) تعلق (۳) ضروری

مزاج کے مطابق ہے۔ اس ضمن میں دوسرے کسی طریقے کا سلف [۱] سے ہمیں سراغ [۲] نہیں ملتا۔ پوری اسلامی تاریخ میں جب بھی باطل نظام یا غیر مسلموں کے غلبہ سے نجات کے لئے جہاد کیا گیا تو جماعتیں اسی بنیاد پر بنیں۔ جیسے تحریکِ سید احمد شہیدؒ۔ اس تحریک کو دیگر تمام تحریکوں کے سرخیل [۳] کی حیثیت حاصل ہے، اس عظیم تحریک کی بنیاد بھی بیعت کے اصول پر تھی۔ اس کے بعد بھی جماعت سازی اسی اصول پر ہوئی چنانچہ مہدی سوڈانی کی تحریکِ جہاد، سنوسی کی تحریک اور پھر اخوان المسلمون کی عظیم تحریک۔ سب میں اسی بیعت کے اصول کو بنیاد بنایا گیا۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ بعض غلط قسم کے پیروں نے جنہوں نے دین کو کاروبار بنالیا، بیعت کے لفظ کو بدنام کر دیا لیکن یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ دین میں جماعت سازی کی واحد اساس [۴] یہی ہے اور بیعت کی اصطلاح قرآن و حدیث کی اصطلاح ہے۔ اسے ترک کرنا یقیناً خیر و برکت سے ہاتھ کھینچنے کے مترادف [۵] ہے۔

اسلامی نظام سے کیا مراد ہے؟

یہ بات واضح ہوجانے کے بعد کہ ایک مسلمان پر دین کی طرف سے کون کون سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں یہ سمجھ لینا مناسب ہوگا کہ اسلامی نظام یا دین حق سے مراد کیا ہے اور اس نظام کا نظریۂ توحید کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

اسلام جو کہ دین توحید ہے، افراد سے بھی توحید پر کاربند رہنے کا تقاضا کرتا ہے اور اجتماعی زندگی میں بھی توحید کو رائج کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ یہی اسلام کا انقلابی نظریۂ توحید جب زندگی کے اجتماعی گوشوں میں سرایت کرتا ہے تو اسلامی نظام کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ توحید کے انقلابی نظریے کی بنیاد پر یہ اسلامی نظام اگر قائم ہوجائے تو اس کے نتیجے میں سماجی، معاشی اور سیاسی سطح پر درج ذیل تبدیلیاں رونما ہوں گی۔

سماجی سطح پر

- چونکہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لئے نسل، رنگ، زبان، پیشے اور جنس

(۱) اگلے زمانے کے لوگ (۲) پتا (۳) سردار (۴) بنیاد (۵) ہم معنی

کی بنیاد پر نہ کوئی اونچا ہوگا نہ نیچا، بلکہ عزت اور شرافت کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیز گاری ہوں گے۔

- پردے کے شرعی احکام نافذ کر کے خواتین کی عزت اور وقار کی پوری حفاظت کی جائے گی۔ اسلام کے خاندانی نظام اور غیر مخلوط تصورِ معاشرت کے تحت خواتین کو حقوق و معاشی کفالت (۱) کی پوری ضمانت حاصل ہوگی تاکہ وہ پوری یکسوئی (۲) کے ساتھ آئندہ نسل کی بہترین تربیت کر سکیں۔
- خواتین کو ملکیت اور وراثت کے اسلامی حقوق حاصل ہوں گے۔ انہیں غیر مخلوط ماحول میں تعلیم، صحت اور گھریلو صنعتوں کے میدان میں اپنی صلاحیتیں بروئے کار (۳) لانے کی پوری آزادی ہوگی۔
- شریعتِ اسلامی کے ہمہ پہلو (۴) نفاذ سے بدامنی کا مکمل خاتمہ ہوجائے گا اور رشوت، غبن، قتل، چوری اور ڈاکے کے ساتھ ساتھ زنا اور تہمتِ زنا کی بھی جڑ کٹ جائے گی۔
- سماجی برائیوں جیسے فضول خرچی، نمود و نمائش کے لئے بے تحاشا دولت ضائع کرنے اور شادی بیاہ کی ہندوانہ رسموں کا خاتمہ ہوجائے گا۔
- مفت اور جلد از جلد انصاف مہیا ہوگا اور جھوٹی گواہی کا خاتمہ ہوجائے گا۔
- سب کے لئے ایک ہی جیسا نظامِ تعلیم ہوگا۔ اس میں قدیم و جدید اور دینی و دنیوی تعلیم کا بہترین امتزاج (۵) ہوگا۔ تعلیم میٹرک تک مفت ہوگی۔

معاشی سطح پر

- ریاست ہر شہری کی بنیادی ضروریات یعنی غذا، لباس، رہائش، تعلیم اور علاج کی ضامن ہوگی۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے مسلمانوں سے زکوٰۃ اور عشر اور غیر مسلموں سے جزیئے (۶) کی وصولی کا نظام نافذ ہوگا۔
- مخلوقِ خدا کی خدمت کرنے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور ضرورت مند افراد کو بلا

---

(۱) ذمہ داری (۲) اطمینان (۳) استعمال میں لانا (۴) تمام پہلوؤں پر مشتمل
(۵) آمیزش (۶) اسلامی حکومت میں غیر مسلموں سے لیا جانے والا ٹیکس

سود قرضہ دینے کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

- سود کی لعنت کا مکمل طور پر خاتمہ ہو جائے گا۔ جوئے، سٹے، لاٹری، دوطرفہ آڑھت اور خرید و فروخت کی تمام حرام صورتوں کو ختم کر کے سرمایہ داری کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔
- شریعت اسلامی کی حدود کے اندر اندر انفرادی ملکیت اور آزاد معاشی جدوجہد کی فضا برقرار رہے گی۔ اس مثبت مسابقت کی فضا سے صنعت وتجارت کو ترقی ہو گی اور پیداوار میں اضافہ ہو گا۔
- مزدور اور کارخانہ دار کے درمیان اسلامی بھائی چارے اور عدل وانصاف کے علاوہ باہمی سوداکاری میں مزدور کو ریاست کی جانب سے کفالت کی ضمانت حاصل ہو گی۔
- جاگیرداری کی لعنت کا مکمل خاتمہ ہو گا جس سے زمینداری کی ساری بُرائیاں ختم ہو جائیں گی۔ اس سلسلے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور امام مالک رحمۃ اللہ کے متفقہ فتوے سے بھی مدد لی جا سکتی ہے جس کی رو سے مزارعت کی اکثر قسمیں حرام ہیں، یا حضرت عمرؓ کے اس اہم فیصلے کو بھی بنیاد بنایا جا سکتا ہے جو عراق کی مفتوحہ زمینوں کے ضمن میں انہوں نے اختیار کیا، جس کی رُو سے اس علاقے کی اراضی انفرادی ملکیت نہیں بلکہ اسلامی ریاست یعنی بیت المال کی ملکیت قرار پائیں۔

سیاسی سطح پر

- حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو گی، چنانچہ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جا سکے گا۔ اعلیٰ عدالتوں کو پورا اختیار ہو گا کہ اس قانون کو منسوخ کر دیں جو قرآن وسنت کے خلاف ہو۔
- ریاست کے کامل شہری صرف مسلمان ہوں گے چنانچہ کلیدی عہدوں پر صرف مسلمان فائز ہو سکیں گے۔ اور ان کے حقوقِ شہریت بالکل مساوی ہوں گے (تاہم ذمہ داریوں کے لئے اضافی شرائط ملحوظ رکھی جائیں گی) اور وہ اسلام کے اصولِ مشاورت کے مطابق باہمی مشورے سے ملک کے نظام کو چلائیں گے۔
- تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہوں گے اور کوئی شخص حتیٰ کہ خلیفہ یا امیر یا صدر یا

وزیر اعظم بھی قانون سے بالاتر نہ ہوگا۔

- ریاست کے غیر مسلم شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا پورا ذمہ لیا جائے گا اور انہیں کامل معاشی اور مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ چنانچہ وہ اپنی عبادت گاہوں میں اپنے مذہب کے مطابق رسومات کی ادائیگی اور اپنی آئندہ نسلوں کی تعلیم و تربیت کے حقدار ہوں گے، البتہ انہیں مسلمانوں میں تبلیغ کا حق حاصل نہیں ہوگا۔
- وحدانی یا فیڈرل یا کنفیڈرل نظام ریاست ...... اور اسی طرح اماراتی یا صدارتی یا پارلیمانی طرز حکومت میں سے کسے اختیار کیا جائے، اس کا فیصلہ عوام کی کھلی رضامندی پر منحصر ہوگا۔ اس لئے کہ ان میں سے کوئی بھی دینی اعتبار سے نہ لازمی ہے، نہ حرام اور نہ ہی ناجائز۔
- علاقائی یا نسلی و قبائلی روایات میں سے جو شریعتِ اسلامی سے متصادم[۱] نہ ہوں انہیں پورا تحفظ حاصل ہوگا۔ اسی طرح علاقائی زبانوں کے حقوق کی حفاظت ہوگی البتہ سب سے زیادہ زور عربی زبان کی تعلیم و ترویج پر دیا جائے گا۔

اسلامی انقلاب کا طریق کار

تنظیمِ اسلامی ممکنہ حد تک اس اسلامی انقلابی نظریہ کو عام کرنے اور اس کے لئے سارے جائز ذرائع استعمال کر رہی ہے تاکہ مسلمانوں کو اپنے فرائض کا احساس ہو اور وہ دینِ توحید کو خود بھی اختیار کریں اور اجتماعی نظام میں بھی اسے رائج کر سکیں۔

دوسرا کام جماعت سازی کا ہے۔ تنظیمِ اسلامی بیعت سمع و طاعت کی مضبوط، منصوص، مسنون اور ماثور اساس پر استوار[۲] کی گئی ہے۔

تیسرا کام تربیت کا ہے جو حاصل ہوتا ہے پورے کے پورے دین پر عمل کرنے سے۔ پورے دین پر عمل کرنے کے نتیجے میں بگڑے ہوئے معاشرے کی طرف سے ایسی مخالفت ہوتی ہے جو انسان کو کندن[۳] بنا دیتی ہے۔ پہلے، یعنی صبر محض کے مرحلے سے گزرنا تو اول دن ہی سے اس راہ کا لازمی حصہ ہے۔

اس مرحلے سے گزرتے ہوئے معتد بہ تعداد[۴] پر مشتمل ایک جماعت فراہم ہوگئی

(۱) ٹکرانے والے (۲) قائم (۳) خالص سونا (۴) معقول تعداد

تو پھر دوسرے، یعنی اقدام کے مرحلے کا آغاز کیا جا سکے گا۔

اِقدام کے مرحلے میں باطل نظام کو چیلنج کیا جائے گا۔ کسی منکر (جو تمام دینی مکاتب فکر کے نزدیک منکر ہو، مثلاً سود، جوا، لاٹری، فحاشی وغیرہ) کے خلاف پُرامن منظم مظاہروں، دھرنے اور گھیراؤ کے ذریعے اقدام کیا جائے گا کہ اب یہ کام (منکر) ہم نہیں ہونے دیں گے۔ اس کے نتیجے میں باطل نظام طاقت استعمال کرے گا تو اگر اس تمام تر تشدد اور طاقت کا استعمال وہ جماعت برداشت کر جائے اور کوئی جوابی کاروائی نہ کرے لیکن اپنے مؤقف پر ڈٹی رہے تو اس کے تین نتائج نکل سکتے ہیں۔

تین ممکنہ نتائج

(i) حکومت ان مظاہروں کے نتیجہ میں پسپائی اختیار کرے، یعنی منکرات کو ختم کرنا شروع کر دے تو اور کیا چاہیئے۔ ایک منکر کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے منکر کے خلاف مظاہرے جاری رہیں گے تا آنکہ پورے کا پورا نظام اسلام کے سانچے میں ڈھل جائے۔

(ii) دوسرا ممکن نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ حکومتِ وقت اسے اپنی بقا، اپنی انا اور اپنے مفادات کے تحفظ کا مسئلہ بنالے اور طاقت کے استعمال سے اس اسلامی تحریک کو کچلنے کی کوشش کرے۔ اس موقع پر ذرا ٹھہر کر حکومت وقت کی ماہیت و ہیئت کو سمجھ لیجئے کہ وہ کیا ہوتی ہے۔ ہر حکومت کسی نہ کسی طبقہ کی نمائندگی کر رہی ہوتی ہے۔ وہ معاشرے کے کسی طاقتور طبقہ کے مفادات کی محافظ بن کر بیٹھی ہوتی ہے۔ اسلام کا نظامِ عدل وقسط ان طبقات کے لئے پیغامِ موت لے کر آتا ہے۔ لہٰذا حکومتِ وقت کسی ایسی تحریک کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کرتی جس کے کامیاب ہونے کے نتیجہ میں سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ استحصالی[۱] نظام ختم ہو جائے اور اسلام کا عادلانہ و منصفانہ نظام قائم ہو جائے۔ لہٰذا وہ ریاست کی پولیس اور فوج کو اس تحریک کو کچلنے کے لئے بے دریغ[۲] استعمال کرے گی، چنانچہ لاٹھیاں برسیں گی،

---

(۱) ظالمانہ (۲) بغیر رنج کے

آنسو گیس کے شیل پھینکے جائیں گے، گولیوں کی بوچھاڑ آئے گی، گرفتاریاں ہوں گی، دارورسن (۱) کے مراحل آئیں گے۔ لیکن اگر لوگ اللہ کی راہ میں قربانیاں حتیٰ کہ جان تک دینے پر تیار ہوں اور ثابت قدمی سے میدان میں ڈٹے رہیں تو پولیس کتنوں کو گرفتار کرے گی؟ فوج کتنوں کو اپنی گولیوں سے بھونے گی؟ اگر تحریک کے کارکنوں نے صبر واستقامت کا ثبوت دیا تو پورے وثوق (۲) کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ بالآخر پولیس اور فوج جواب دے دے گی کہ یہ مظاہرین ہمارے ہی ہم مذہب اور ہم وطن ہیں، ہمارے ہی اعزّہ واقربا (۳) ہیں، یہ لوگ اپنی کسی ذاتی غرض کے لئے میدان میں نہیں آئے بلکہ اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کے قیام ونفاذ کے لئے (اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے) نکلے ہیں، تو آخر ہم کب تک ان کو اپنی گولیوں سے بھونتے چلے جائیں؟ نتیجہ یہ نکلے گا کہ حکومت کا تختہ الٹ جائے گا اور تحریک کامیابی سے ہم کنار (۴) ہوگی، جیسا کہ ایران میں ہوا کہ شہنشاہِ ایران جیسے آمرِ مطلق کو بھی ایسی صورت حال میں باحسرت ویاس (۵) ملک چھوڑ کر فرار ہونا پڑا...... تو یہ دو ممکنہ صورتیں تو تحریک کی کامیابی کی ہیں۔

(iii) تیسرا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ حکومت وقت اس تحریک کو کچلنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس صورت میں جن لوگوں نے اس راہ میں جانیں دی ہوں گی ان کی قربانیاں ہرگز ضائع نہیں ہوں گی۔ وہ ان شاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ کے یہاں اجرِ عظیم اور فوزِ کبیر سے نوازے جائیں گے۔

دعوتِ شمولیت

حضرات گذشتہ صفحات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دینِ اسلام کے نفاذ کیلئے جدوجہد کرنا کوئی اضافی نیکی نہیں بلکہ ہر مسلمان کا فرض منصبی ہے۔ تنظیمِ اسلامی اجتماعی طور پر اسی فرض کی ادائیگی کیلئے کوشاں ہے۔ آیئے اپنے اس فرض کی ادائیگی کیلئے تنظیمِ اسلامی کے دست وبازو بن جائیں اور اللہ کی زمین پر اللہ کا حکم نافذ کرنے کی کوشش کریں۔ دنیا میں اگر ہمیں کامیابی نہ بھی مل سکے تو آخرت میں ہم اللہ کے حضور اپنی معذرت پیش کر سکتے ہیں۔

---

(۱) قید و پھانسی (۲) یقین (۳) رشتہ دار (۴) ملنا (۵) حسرت اور ناامیدی کے ساتھ

تنظیم اسلامی میں شمولیت کے لیے

بیعت کے الفاظ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحیم ہے
اَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ	وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں
وَاَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ	اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اُس کے بندے اور رسول ہیں
اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰهَ رَبِّيۡ مِنۡ كُلِّ ذَنۡبٍ	میں اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام گناہوں کی مغفرت مانگتا ہوں
وَّاَتُوۡبُ اِلَيۡهِ تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا	اور خلوصِ دل سے اُس کی جناب میں توبہ کرتا ہوں
اِنِّيۡ اُعَاهِدُ اللّٰهَ	میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہوں کہ:
عَلٰۤى اَنۡ اَهۡجُرَ كُلَّ مَا يَكۡرَهُهٗ	اُن تمام چیزوں کو ترک کردوں گا جو اُسے ناپسند ہیں
وَاُجَاهِدَ فِيۡ سَبِيۡلِهٖ جُهۡدَ اِسۡتِطَاعَتِيۡ	اور اُس کی راہ میں استطاعت بھر جہاد[۱] کروں گا
وَاُنۡفِقَ مَالِيۡ وَاَبۡذُلَ نَفۡسِيۡ	اور اپنا مال بھی صَرف کروں گا اور جان بھی کھپاؤں گا
لِاِقَامَةِ دِيۡنِهٖ وَاِعۡلَاءِ كَلِمَتِهٖ	اُس کے دین کی اقامت اور اُس کے کلمہ کی سربلندی[۲] کے لیے

وَلِاَجۡلِ ذٰلِكَ اُبَايِعُ شجاعَ الدين شيخ، امير التنظيم الاسلامی

اور اِس مقصد کی خاطر میں امیر تنظیم اسلامی شجاع الدین شیخ سے بیعت کرتا ہوں

اَسۡتَعِيۡنُ اللّٰهَ رَبِّيۡ وَاَسۡتَقۡدِرُهٗ عَلَى الۡاِسۡتِقَامَةِ عَلَى الدِّيۡنِ وَاِيۡفَاءِ هٰذَا الۡعَهۡدِ

میں اللہ سے مدد اور توفیق مانگتا ہوں کہ وہ مجھے دین پر استقامت

اور اس عہد کو پورا کرنے کی ہمت عطا فرمائے

---

(۱) ممکن حد تک　　(۲) غلبہ